

دینی مدارس کی افادیت و اہمیت

شمس الحق ندوی

یہ ہوتا آیا ہے، مخلصین اور دین و ملت کے لیے ترپنے اور بے گل رہنے والوں اور اس کی فکر میں جلنے، بجھنے اور راتوں کو اٹھ اٹھ کر بارگاہ خداوندی میں آہ و زاری کرنے والوں کی تعداد کم ہی رہی ہے۔ انہی سے نور نبوت کی کرنیں پھوٹی اور پھیلتی رہی ہیں اور دنیا میں پھیلے ہوئے ابلیسی نظام نے انہی مردانِ خدا کو اصل خطرہ جانا ہے، جو شکست کو فتح سے بدلنے، ہاری ہوئی بازی کو جیتنے اور ڈوبتی ہوئی کشتی کو تیرانے کی اہلیت اور ہمت رکھتے ہیں، اقبال مرحوم نے اپنی نظم ”ابلیس کی مجلس شوریٰ“ میں ابلیس کی زبان سے اس حقیقت کو اس طرح ادا کیا ہے:

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ کرتے ہیں اٹک سحر گاہی سے جو ظالم وضو
ابلیس اپنے خیالات اور خدشات کا اظہار کرتے ہوتے مزید کہتا ہے: ”میں جانتا ہوں کہ یہ امت قرآنی پروگرام کی حامل اور اس پر عامل نہیں، مال کی محبت، ذخیرہ اندوزی اور نفع رسانی کے بجائے نفع طلبی اور سرمایہ داری اس کا بھی مذہب بنتی چلی جا رہی ہے، لیکن زمانے کے انقلابات اور مقتضیات سے مجھے خطرہ ہے کہ وہ کہیں اس امت کی بیداری کا سامان نہ بن جائیں۔“ (نفوسِ اقبال)

غور کیا جائے تو صاف محسوس ہوگا کہ دین اسلام کے خلاف اٹھائے جانے والے ہر فتنہ کے بعد مسلم عوام میں بیداری پیدا ہوتی ہے اور غیروں میں اسلامی تعلیمات پر غور و فکر اور معلومات و تجسس کا جذبہ کام کرنے لگتا ہے اور وہ اسلامیات کا مطالعہ کرنے لگتے ہیں اور اس کی حقیقت کو سمجھنے کی ٹوہ میں لگ جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں بہت سے خوش نصیب اسلام کی آغوش میں آ جاتے ہیں اور یہ بات قریباً دنیا کے تمام ملکوں میں پائی جا رہی ہے، جس کو میڈیا نمایاں نہیں کرتا ہے، اس کو صرف کسی مسلمان کی معمولی، بلکہ فرضی غلطی کو نمایاں کر کے پیش کرنے سے دلچسپی رہتی ہے، کیا یہ حقیقت جھٹلائی جاسکتی

ہے کہ وہی اندلس جہاں اقبال مرحوم نے بڑے درد سے کہا تھا: ”آہ اکہ صدیوں سے ہے تیری زمیں بے اذان“ اب اسی اندلس میں اذان بھی ہونے لگی ہے۔ وہاں پہنچنے والے مسلمان جمعہ اور جماعت کا بھی نظام قائم کرنے لگے ہیں، امریکا جہاں سے سب سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈے کیے جاتے ہیں، اس کے نتیجے میں اسلام کے بارے میں معلومات کے جذبات ابھرتے ہیں، پھر اس کا مطالعہ اور حقیقت تک پہنچنے کے بعد بہت سے خوش نصیب ایمان لاتے ہیں۔

اس میں ہمارے ان مدارس و مکاتب کا بڑا دخل ہے جن پر تنقید ہوتی رہتی ہے، ان مدارس کو چلانے والے مخلصین اور یہی خواہاں دین و ملت تھکے تھکے جمع کر کے اس ماحول میں جہاں تعلیم مہنگی سے مہنگی ہوتی جا رہی ہے، طلباء کے لیے نہ صرف یہ کہ مفت تعلیم کا انتظام کرتے ہیں، بلکہ نادار طلباء کے کھانے کا بھی انتظام کرتے ہیں اور خاص حالات میں ان کی دیگر ضروریات کا بھی خیال رکھتے ہیں، کتابیں تک مفت مہیا کی جاتی ہیں، پھر انہی طلباء میں سے اچھی خاص تعداد ایسی نکلتی ہے، جو دعوت و اصلاح کے کام میں لگ جاتے ہیں، ایک معتد بہ تعداد مدارس میں تعلیم و تربیت کا کام انجام دیتی ہے، ان میں وہ بھی ہوتے ہیں جو اپنے علاقہ کی بنجر زمین میں عقیدہ توحید اور دین و ایمان کا بیج بوتے ہیں، ایسے بھی ہوتے ہیں، جو دوسرے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پہنچ کر اسلامی شناخت کو باقی رکھنے میں بڑا کردار ادا کرتے ہیں، اگر ان کی ظاہری وضع قطع میں اہل دین کی نظروں میں کچھ کمی محسوس ہوتی ہے تو اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے دلوں میں دینی جذبات و احساسات موج زن رہتے ہیں، ان میں وہ جوان مرد بھی ہوتے ہیں جو دوسرے ملکوں میں دین و ایمان کی قدیل روشن کرتے ہیں، اسلام کا تعارف کراتے ہیں۔

کم سے کم درجہ ہوتا ہے کہ مدارس میں آنے والے کا ایمان و عقیدہ محفوظ ہو جاتا ہے جو عمر کے کسی دور میں شعلہ جوالہ بن کر بھڑک اٹھتا ہے، ایسا بہت کم ہوتا ہے، بلکہ شاذ و نادر یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ کوئی جدید افکار و نظریات کا شکار ہو کر الحاد و دہریت کی راہ اپنالے۔ جدید تعلیم یافتہ حضرات میں جو صاحبان اپنے خیالات و مشوروں سے اہل مدارس کو نوازنے کی فکر پیش کرتے ہیں، یا یہ کہوں کہ نوجوانان ملت کے بارے میں اپنی فکر و ہم دردی کا اظہار کرتے ہیں، ہمیں ان سے کوئی شکایت نہیں، اس لیے کہ یہ انسانی فطرت ہے، وہ جس ماحول میں رہتا ہے، اسی دائرہ میں اس کا علم و فکر بھی اپنا کام کرتا ہے اور اسی کا اظہار کرتا ہے۔ مدارس کی افادیت و اہمیت کو وہی بندگان خدا زیادہ جانتے اور سمجھتے ہیں جو اپنے خونِ جگر سے پوری انسانیت کو زندگی کا صحیح رُخ دینا چاہتے ہیں، اس سلسلے میں جو انصاف پسند اہل علم حضرات اسلام کی تاریخ اصلاح و دعوت اور تجدید دین کی جانفشانیوں کا مطالعہ کریں گے، ان کو صاف معلوم ہوگا کہ روئے زمین پر اس وقت انسانیت کا جو بچا کچھ اسرما یہ نظر آ رہا ہے، وہ انہیں حضرات کا کارنامہ ہے، ورنہ تاریخ اسلام میں جو انقلابات آئے ہیں، وہ اس کی رہی سہی طاقت ختم کر دیتے اور اسلام بھی دیگر مذاہب کی طرح تحریف و غلو کا شکار ہو چکا ہوتا ہے، ہم زیادہ تفصیل میں نہ جا کر

صرف اتنی ہی عرض کریں گے کہ دور اکبری میں اگر حضرت مجدد الف ثانی کی شخصیت نے اپنا حکیمانہ رول ادا نہ کیا ہوتا تو آج یہاں اسلام کا کیا حال ہوتا؟ پھر اس سرمایہ کی حفاظت خانوادہ و سلسلہ ولی الہی نے جس طرح کی، اس سے کون انصاف پسند صاحب علم انکار کر سکتا ہے؟ اور یہی سلسلہ اب تک جاری ہے۔

ایک اور پہلو سے غور فرمایا جائے کہ اسلام صرف مسجد اور اداؤں کا رنگ محدود نہیں ہے، اس لیے زندگی کے دوسرے شعبوں میں، پیدائش سے لے کر موت کے مسائل میں، راہ نمائی کہاں سے حاصل ہوتی ہے؟ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد، خرید و فروخت، گھریلو مسائل، اولاد کی تعلیم و تربیت، ملنے جلتے اور ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کرنے، نمازیوں کی امامت اور ان کو روزہ مرہ کے مسائل سے کون واقف کراتا ہے؟ اگر یہ نہ ہو تو کیا قومی نام کے علاوہ مسلمانوں میں کوئی اسلامی بات پائی جاسکتی ہے؟ جو اصل مقصد زندگی ہے۔

انہی حقائق کے پیش نظر علامہ اقبال اپنے اشعار میں اہل مدارس و موجودہ دانش وروں کی طرح مشورہ دینے اور ان میں مزید زندگی پیدا کرنے، زور دینے کے باوجود ایک مرحلہ میں یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ ان مدارس کو کچھ نہ کہو، اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو ہندوستان انڈس بن چکا ہوتا۔

خوش نصیب ہیں وہ حضرات جو ان دینی مدارس و مکاتب کے ساتھ تعاون کرتے ہیں، ہم اگر دینی زبان و پیمانہ کی روشنی میں ان حضرات کے اس اتفاق فی سبیل اللہ کے اخروی اجر و ثواب کے ذخیرہ کا حساب لگانا چاہیں تو بڑے سے بڑا ریاضی دان اس کا حساب نہیں لگا سکتا ہے، جس کو قرآن کریم نے اس طرح بیان کیا ہے: ﴿مَنْ مَلَأَ مَالَهُ يَتَّقِ اللَّهَ﴾ اللہ کے عمل حبہ انبت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مئة حبہ واللہ یضاعف لمن یشاء

”جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں (ان کے مال) کی مثال اس دانے کی سی ہے، جس سے سات بالیس اگیں اور ہر ایک بالی میں سو سو دانے ہوں، خدا جس کے مال کو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے۔“

اہل مدارس جدید علوم و فنون اور زندگی کے جائز و درست اسباب و وسائل کے اپنانے کی نفی نہیں کرتے کہ خود دین اسلام اس کی تعلیم دیتا ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

مدارس اور علماء کا منصب یہی ہے کہ وہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں رہنے والے مسلمانوں کی صحیح راہ نمائی کریں کہ وہ جاہ و منصب اور کاروبار کے اندر مال کی فراوانی میں پڑ کر خدا فراموشی کا شکار ہو کر ابدی زندگی سے غافل نہ ہو جائیں، جس کا انجام نہایت بھیانک ہے، یہ بہت فکر کی بات ہے کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات کا ایک بڑا طبقہ اپنی ساری صلاحیتوں، علوم و افکار اور حصول زر کی فکر میں اتنا ذوق جاتا ہے کہ روح و قلب کی طرف متوجہ نہیں ہو پاتا، جو حاصل زندگی ہے۔ مگر مروجہ کی زبان: نہیں جاتی کہاں تک فکر انسانی نہیں جاتی مگر اپنی حقیقت آپ پہچانی نہیں جاتی